کی نظر میں سود پر مبنی ہے تو ایک اسلامی نظام بنیک کاری قائم کرنا چاہیئے جس کی بنیاد سود خواری نہیں، اخوت پر ۔ انہیں زکوٰۃ اور بیت المال دوبارہ قائم کرنے چاہئیں ۔ اگر موجودہ تجارتی طریقے مسلمانوں کے نزدیک مذموم ہیں تو انہیں اپنی تجارت امداد باہمی کے اصول پر استوار کر لینی چاہیئے ۔

اگر موجودہ صنعتی نظام ان کی نظر میں ایک خودغرضانہ ظلم ہے ۔ تو انہیں چاہیئے قانونِ شریعت کی مطابقت میں ایک جداگانہ صنعتی نظام قائم کر دکھائیں ۔ مسلمانوں کے لئے تہذیب جدید میں ختم ہو جانا خودکشی سے کم نہ ہوگا ، کیونکہ اس کے معنے تہذیب جدید کے تمام عیوب کو قبول کر لینا ہوں گے ایسا کر لینے کے بعد مسلمان کبھی بھی اس دنیا میں نیکی کے لئے ایک قوت یا سہارا ثابت نہ ہو سکیں گے ۔ لیکن ان کے لئے اس تہذیب سے اس کے علوم و فنون اور اس کی کارگذاری سے یکسر بیگانگی بھی خودکشی سے کچھ کم نہ ہوگی ۔ مسلمان پدرم سلطان بود ، کے نشانوں اور ترانوں پر زندہ نہیں رہ سکتے ۔ ایسا کرنے سے وہ اسلام سے اسی طرح محروم رہ جائیں گے ۔ جس طرح ایک غیر اسلامی تہذیب کو کلیتہً اپنا لینے سے عہدِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے تعلیم جدید کا اس غرض سے حاصل کرنا کہ وہ عصرِ جدید کے نشیب و فراز سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں ، ان کے لئے جہاد الاکبر کا مرتبہ رکھتا ہے ۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اچھائی کو پہچانیں اور اپنا لیں اور ہر برائی کے استیصال کے لئے کمربستہ رہیں تاکہ کوئی بہتر چیز اس کی جگہ مناسب وقت پر نافذ کی جا سکے ۔ دنیا آج ہلاکت کے گڑھے پر کھڑی ہے ۔ اور مسلمان ہی اسے بچا سکتے ہیں ۔ کیونکہ تہذیب کا معیار صرف ان ہی کے پاس ہے اور صرف وہی ایک مثالی کامل نظام تہذیب قائم کر کے دکھا سکتے ہیں ۔ جس کے لئے ان کے پاس خدائی سند موجود ہے اور وہ نظام ایک محیر العقول کامیابی کے ساتھ گذشتہ زمانے میں زیرِ عمل رہ چکا ہے ۔ اسلام ہی وہ نظام ہے جو ہر عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور مستقبل میں کامرانی کا ضامن ہو سکتا ہے ۔

یورپ کے انقلابی نظامات کے متعلق جو زیرِ عمل رہ چکے ہیں ، ایسا نہیں کہا جا سکتا ۔ وہ تمام نظامات انسانی مسرتوں میں ذرہ برابر اضافہ کرنے سے قاصر رہے ہیں ۔ لیکن یہ امر خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ دوسری اقوام کے خلاف اپنی ملت کی کامرانی و کامیابی کی کوشش بلالحاظ اس امر کے کہ ہم راہِ صواب پر ہیں یا جادہ ناصواب پر جہاد نہیں کہلا سکتی ۔ جہاد تو حق کی خاطر باطل کے خلاف جہاں کہیں اور جس صورت میں اس کا موقعہ پیدا ہو ایک جنگ ہے ۔ اگر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جہاد کے اس تخیل کا سراغ تاریخ اسلام میں نہیں ملتا ۔ تو خدا آپ کو راہ راست نصیب کرے ۔ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس نے مشرقی رومی سلطنت سے جو معاملات کئے ، ان کا مطالعہ فرمایئے ۔ ہسپانیہ کے اموی

خلفائے مغرب کی مسیحی سلطنت سے جو سلوک روا رکھا اس کا تذکرہ پڑھئے تو آپ پر روشن ہو جائیگا کہ ان کا نصب العین باطل کے خلاف حق کی حمایت کا ہی جذبہ تھا۔ سلطان سلیمان کا خط بشاہ فرانس کے نام دیکھیئے جو اس وقت لکھا گیا جب وہ ایک قیدی تھا اور اپنی تمام دولت سے بے جا طور پر محروم کر دیا گیا تھا۔ تو آپ کو یہ اصول اور اس کی حمایت میں سعی پیہم کی درخشاں مثالیں نظر آئیں گی۔ مسلمان کا منشار اس دنیا میں اپنی نہیں خدا کی بادشاہت اور شریعت کی فرمانروائی کا استوار کرنا ہے۔ شریعت اسلامیہ کی بنا ر ایسے قوانین فطرت ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہیں اور جن کی عالمگیری مسلّم ہے۔ کسی ادنیٰ اور پست مقصد کے لئے ان کا استعمال ان کی غلط توجیہہ ہی نہیں ہلاکت اور نامرادی کا راستہ ہے۔ بنی نوع انسان کی بہتری و برتری کے وسیع تر منشا کی عدم موجودگی میں کوئی سعی جہاد کے مرتبہ رفیع کو پہنچنے کی حقدار نہیں۔

مسلمان کی تقدیر پرستی جس کے متعلق اس قدر ہنگامہ بپا کیا جاتا ہے۔ ایک ایسی ناگزیر حالت بالکیفیت ہے جس کا اعتراف خواہی نخواہی کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں پوری خندہ پیشانی سے اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہماری موجودہ حالت منشائے ربانی کے ماتحت ہم پر مسلط کر دی گئی ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ مسلمان کا جہاد ہمیشہ کی طرح اب بھی بدی کے خلاف نیکی کے لئے ایک جدوجہد کی صورت میں جاری رہنا چاہیئے۔ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ پہلے تو ہم اسلامی برادری کی بنیادیں عہد حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نئے سرے سے استوار کریں۔ اس کے بعد مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اپنے نیک اعمال سے دنیا کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا احساس بیدار کریں۔ ■

■ جنت کے اندر رونا عجیب ہے اور دنیا کے اندر ہنسنا عجیب تر ہے۔	حضرت عثمان غنی رضؓ
■ علم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے اور عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں بخشتا۔	"
■ دنیائے فانی کی لذتیں لینے سے عالم باقی کے اجر و ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔	"
■ تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بری گفتار کا روح پر۔	"
■ قضا پر رضا دنیا کی جنت ہے۔	"
■ نعمت کا بے مناسب جگہ خرچ کیا جانا ناشکری ہے۔	"
■ حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔	"
■ گناہ کسی نہ کسی صورت سے دل کو بے قرار رکھتا ہے۔	"

مرزا قادیانی اور قادیانیت

پروفیسر شاہد تسنیم ایم اے

ایک سیاسی محاسبہ اور جائزہ

سامراج نوازی اور ملت فروشی کی جھلکیاں

اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام پر یورپی سامراج دنیا کے بیشتر حصوں پر اپنے نوآبادیاتی عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اس سامراجی طاقتوں میں برطانیہ پیش پیش تھا۔ اطالوی، فرانسیسی، اور پرتگالی برِاعظم افریقہ کو اطالوی سومالی لینڈ، فرانسیسی سومالی لینڈ، پرتگالی مشرقی افریقہ، جرمنی مشرقی افریقہ اور برطانوی مشرقی افریقہ میں منقسم کرنے کے بعد مشرق وسطیٰ کے بعض علاقوں میں سامراجی ریشہ دوانیوں میں معروف تھے۔ اٹلی نے اریٹریا، فرانس نے جزیرہ مڈگاسکر اور برطانیہ نے رہوڈیشیا اور یوگنڈا کو نوآبادیوں میں تقسیم کر دیا۔ نام نہاد خود مختار علاقوں میں یونین آف ساؤتھ افریقہ کے علاوہ مصر، حبشہ اور لائبیریا کا شمار ہوتا تھا۔ یورپی سامراج نے اس زمانے میں ہندوستان، برما اور لنکا کو زیرنگیں لانے کے لئے کشمکش کا آغاز کر دیا تھا۔ اور بحر ہند کو اپنی استعماری سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا۔ مشرقی ساحل پر ملائی ریاستوں میں سنگاپور ایک اہم بحری اڈہ تھا جس کو بنیاد بنا کر بحر ہند، بحرالکاہل، ڈچ ایسٹ انڈیز اور جنوبی آسٹریلیشیا کو جدا جدا کیا جا سکتا تھا۔ استعماری طاقتوں کو اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل میں اس وقت زیادہ آسانی ہو گئی جب ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کی تعمیر کا مرحلہ اختتام پذیر ہوا۔ اس کی وجہ سے راس امید کا لمبا چکر لگانے کی بجائے بحیرہ قلزم اور بحیرہ احمر کا آسان راستہ اختیار کیا جانے لگا۔ ۱۸۷۸ء تک برطانیہ جبرالٹر اور مالٹا کو زیر اثر لا کر قبرص پر تسلط جما چکا تھا۔ عدن ۱۸۳۹ء میں محکوم بنایا جا چکا تھا۔ اب صرف جنوب مغربی ایشیا پر قبضہ کرنا باقی تھا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز ہی سے یورپی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف اسلامی ممالک میں تجدید و اصلاحِ دین کی تحریکیں اٹھیں جن کی بازگشت بیسویں صدی کے اوائل تک سنائی دیتی رہی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ مکتب فکر کی تحریک نے مسلمانوں کو جگانے اور ان کے اندر ولولہ تو پیدا کرنے میں موثر کردار ادا کیا۔ اس تحریک کی بازگشت سید احمد بریلویؒ اور شاہ محمد اسماعیلؒ کی سکھ چیرہ دستیوں کے خلاف اعلان جہاد تھا۔ اس تحریک کے اثرات ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کئی سال تک محسوس کئے جاتے رہے۔ الجزائر میں امیر عبد القادر (۱۸۸۰ء) اور روس کے علاقہ داغستان میں شیخ محمد شامل (۱۸۷۰ء) بڑی پامردی اور جانفشانی سے فرانسیسی اور روسی استعمار کو للکار رہے تھے۔۔۔۔۔۔

ہندوستان میں برطانوی سامراج نے قدم جمائے اور ان خاندانوں کو نوازا جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں غداری کی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے والد مرزا غلام مرتضےٰ اور ان کے بھائی غلام قادر نے برطانوی سامراج کی پوری پوری خدمت کی۔ سرلیپل گرفن نے غداروں کے کارناموں کی دستاویز پنجاب چیفس میں لکھا ہے۔ کہ یہ خاندان خاص طور پر مرزا غلام مرتضیٰ انگریز کا وفادار اور نمک حلال تھا۔ مرزا غلام احمد اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جنہیں اپنی غداری اور ملت فروشی پر فخر تھا۔

۱۸۶۴ء میں مرزا غلام احمد سیالکوٹ کچہری میں ملازم تھے۔ مختاری کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد تصنیف و تالیف اور مذہبیات کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں اصلاح خلق کے لئے مامور ہونے کا دعویٰ کیا۔[۱] اور چھ سال بعد دسمبر ۱۸۸۸ء میں لدھیانہ میں بیعت لینے لگے۔[۲] اوائل میں مجدد بنے۔[۳] ۱۸۹۱ء میں مثیل مسیح اور مسیح موعود[۴] اور ۱۹۰۱ء میں نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔[۵] ۱۹۰۴ء میں کرشن اوتار اور تمام مذاہب کے آنے والے (؟) ہونے کا اعلان کیا۔[۶] ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو (؟) سدھار گئے۔

۱۸۸۲ء سے ۱۹۰۸ء تک مرزا نے کئی روپ دھارے، ابتداء میں آپ نے آریہ سماجی، برہمو سماجی، اور دیو سماجی رہنماؤں کے ساتھ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے مناظرے کئے۔ جسے مسلمانوں نے پسندیدہ نگاہ سے دیکھا۔ آپ نے پہلا اشتہار ۲ مارچ ۱۸۷۷ء کو باوا نرائن سنگھ آریہ سماج امرتسر کو "ارواح کے بے انت" ہونے کے مسئلہ پر دیا۔ اس کے بعد پنڈت دیانند سرسوتی، پنڈت کھڑک سنگھ اور برہمو سماجی، پنڈت شیو نارائن اگنی ہوتری کے نام مناظرے کے چیلنج دئیے[۷] اور ۱۸۸۰ء میں ایک کتاب براہین احمدیہ حصہ اول طبع کرائی۔ اس کتاب کی طباعت کے لئے آپ نے اشتہار دئیے اور صاحب ثروت لوگوں سے چندے اور پیشگی رقومات حاصل کیں۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد ایک تو آئندہ کے لئے تصنیف و تالیف کی راہ کھل